© rasailojaraid.com

اسلام میں عورت کا مقام اور میاں بیوی کے باہمی معاملات (۳)

پروفیسر حافظ قاسم رضوان ☆

تعدّدِ ازدواج

تعددِ ازدواج کے موضوع پر سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی ایک بڑی عمدہ تحریر ہے۔(۱) اس کے حوالے سے اس مسئلے سے متعلقہ جدید تاویلات' شبہات اور اضافی شرائط کا جائزہ پیش خدمت ہے۔

قرآن پاک کی درج ذیل آیت اسلام کے قانونِ تعددِ ازدواج کی بنیاد ہے:

﴿وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِى الۡيَتٰمٰى فَانْكِحُوۡا مَا طَابَ لَـكُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ‌ ۚ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً اَوۡ مَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ‌ ؕ ذٰ لِكَ اَدۡنٰۤى اَلَّا تَعُوۡلُوۡا ؕ﴾ (النساء)

''اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیموں کے ساتھ انصاف نہ کر سکو گے تو عورتوں میں سے جو تم کو پسند آئیں ان سے نکاح کر لو' دو دو' تین تین' چار چار۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی (بیوی) پر اکتفا کرو یا وہ عورتیں جو تمہارے قبضے (ملکیت) میں آئی ہیں۔ بے انصافی اور زیادتی سے بچنے کے لیے یہ زیادہ قرینِ صواب ہے۔''

اس آیت کے حوالے سے پہلے ایک غلط مفروضے کو اپنے ذہن سے نکال لیں۔ آیت کے الفاظ پر غور کرنے سے ایسا کوئی اشارہ یا کنایہ تک نہیں مل پاتا جس سے یہ بات نکلتی ہو کہ قرآن کی نگاہ میں تعددِ ازدواج فی الاصل کوئی برائی ہے اور وہ اس کی حوصلہ شکنی چاہتا ہے۔ دورِ جدید کے کچھ نام نہاد مفسّرین اور مجتہدین کا نقطۂ نظر ہے کہ قرآن کا اصل مقصد تو تعددِ ازدواج کو مٹانا تھا' لیکن یہ چونکہ بہت رواج پا چکا تھا اس لیے اس پر پابندیاں لگا کر چھوڑ دیا گیا' تاکہ آئندہ کبھی اسے ممنوع قرار دے دیا جائے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ قرآن کا یہ منشا معلوم کرنے کا آخر ان کے پاس کون سا ذریعہ ہے؟ اور اگر یہ ان کی اپنی رائے ہے کہ تعددِ ازدواج فی نفسہٖ برائی ہے' تو یہ اختیار تو ان کے پاس ہے کہ قرآن کے علی الرغم وہ اس کی مذمت کریں اور اسے موقوف کرنے کا مشورہ دیں' مگر یہ حق انہیں بہرحال کسی صورت نہیں پہنچ سکتا کہ وہ اپنی رائے کو زبردستی قرآن کی طرف منسوب کریں۔ قرآن

☆ ریٹائرڈ صدر شعبہ اسلامیات ومطالعہ پاکستان' گورنمنٹ کالج آف کامرس' علامہ اقبال ٹاؤن' لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو واضح اور صریح الفاظ میں اسے جائز قرار دیتا ہے اور اشارتاً یا کنایتاً بھی اس کی مذمت میں کوئی ایسا لفظ نہیں استعمال کرتا' جس سے ثابت ہو کہ وہ واقعی تعددِ ازدواج کو ایک برائی سمجھتا ہے اور اسے کسی طور پر روکنا چاہتا ہے۔

غلط تاویلات اور مفروضے

اپنے اس بے بنیاد دعوے پر یہ لوگ تاویلات کی ایک عمارت کھڑی کرتے ہیں جس کا ہر جزو بذاتِ خود بہت کمزور ہے:

(۱) ''یہ لوگوں کے منتخب نمائندوں کا کام ہے کہ وہ اس بارے میں ایک قانون بنائیں کہ آیا ایک مسلمان ایک سے زیادہ بیویاں کر/رکھ سکتا ہے' اور اگر کر/رکھ سکتا ہے تو کن حالات اور کن شرائط کے تحت۔''

اب ذرا آیت کے الفاظ پر غور کریں جس سے یہ ضابطہ نکالا جا رہا ہے۔ اس کے الفاظ سے بخوبی اندازہ ہو رہا ہے کہ اس کے مخاطب مسلمان افراد ہیں اور ان ہی سے کہا جا رہا ہے کہ ''اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیموں کے معاملے میں تم انصاف نہ کر سکو گے تو جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان سے نکاح کر لو' دو دو سے' تین تین سے اور چار چار سے۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی پر اکتفا کرو۔''

اب ظاہر ہے کہ عورتوں کو پسند کرنا' ان سے نکاح کرنا اور اپنی بیویوں سے عدل کرنا یا نہ کرنا افراد کا ہی کام ہے' نہ کہ پوری قوم یا معاشرے کا۔ لہٰذا باقی تمام فقرے جو بصیغہ جمع مخاطب ارشاد ہوئے ہیں' ان میں خطاب بھی لامحالہ افراد ہی سے ماننا پڑے گا۔ اس طرح اوّل سے آخر تک یہ پوری آیت افراد کو ان کی انفرادی حیثیت سے مخاطب کر رہی ہے اور یہ بات انہی کی مرضی پر چھوڑی جا رہی ہے کہ اگر وہ عدل کر سکیں تو ایک سے چار کی حد تک جتنی عورتوں کو پسند کریں' ان سے نکاح کر لیں۔ اور اگر اس خطرہ کا احساس ہو کہ عدل نہ ہو پائے گا تو پھر ایک ہی پر اکتفا کریں۔ اب سوال یہ ہے کہ جب تک آیت میں ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ﴾ اور ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا﴾ کے صیغہ خطاب کو فضول اور بے معنی نہ سمجھ لیا جائے' اس آیت کے ڈھانچے میں نمائندگانِ قوم آخر کس راستے سے داخل ہو پائیں گے؟ آیت کا کون سا لفظ ان کی مداخلت کا راستہ کھولتا ہے؟ اور مداخلت کی بھی یہ حد کہ اب وہی فیصلہ کریں گے کہ ایک مسلمان دوسری بیوی کر بھی سکتا ہے یا نہیں؟ اور پھر 'کر سکے' کا فیصلہ کر لینے کے بعد وہ یہ بھی طے کریں کہ وہ کن حالات اور کن شرائط کے تحت کر سکتا ہے۔ حالانکہ آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صریحاً ایک مسلمان کو خود 'کر سکنے' کا مجاز قرار دیا ہے اور حالات و شرائط کے معاملے کو بھی فرد کے اپنے انفرادی فیصلے پر چھوڑ دیا ہے۔

(۲) ''ایک سے زائد نکاح اگر کیے بھی جائیں تو ان کو لازماً یتیموں کے فائدے کے لیے ہونا چاہیے' کیونکہ اسی غرض سے تعددِ ازدواج کی اجازت دی گئی ہے۔''

اس تاویل کی بنیاد یہ ہے کہ آیت میں ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى﴾ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ دوسری شادی کی اجازت صرف یتیموں کے ساتھ انصاف کرنے کی غرض سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دی گئی ہے۔ لہٰذا یہ شادی کسی ایسی عورت سے ہی ہونی چاہیے جو کسی یتیم بچے/بچوں کی ماں ہو اور اس شادی کرنے والے کا مقصد بھی اس یتیم/یتامیٰ کے ساتھ انصاف کرنا ہو۔

اب تاویل کی یہ بنیاد سرے سے ہی غلط ہے کہ یتیموں کے ساتھ انصاف کو تعددِ ازدواج کے لیے شرط سمجھ لیا گیا ہے۔ قرآن پاک پر تدبّر و تفکّر کرنے والا کوئی شخص بھی اس حقیقت سے صرفِ نظر نہیں کر سکتا کہ اس کتابِ مقدس میں بہت سے احکام کسی خاص موقع پر دیے گئے ہیں اور حکم دیتے وقت کئی مواقع پر اس طرح کے الفاظ آئے ہیں کہ ''اگر ایسی صورت پیش آ گئی تو اس کا یہ حکم ہے''۔ ان تمام مقامات پر شرطیہ الفاظ کو اگر شرطِ حکم قرار دے دیا جائے تو اس طرح سے شریعت کی صورت ہی مسخ ہو جائے گی۔ مثلاً عرب کے لوگ اپنی لونڈیوں کو زبردستی پیشہ کرنے اور پیسے کمانے پر مجبور کرتے تھے۔ اس کی ممانعت ان الفاظ میں کی گئی ہے: ﴿وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾(النور:۳۳) ''اور اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو' اگر وہ اس سے بچی رہنا چاہتی ہوں''۔ اب اس آیت کا یہ معنیٰ اخذ کرنا کیا درست ہو گا کہ یہ حکم صرف لونڈیوں سے متعلق ہے' اور یہ کہ لونڈی اگر خود زنا سے نہ بچنا چاہتی ہو تو اس سے بدکاری کا پیشہ کرایا جا سکتا ہے؟

دوسری غلطی اس تاویل میں یہ ہے کہ سورۃ النساء کی مذکورہ بالا آیت کے بارے میں فرض کر لیا گیا ہے کہ یہ دراصل تعددِ ازدواج کی اجازت دینے کے لیے نازل ہوئی ہے' حالانکہ یہ مفروضہ بذاتِ خود بے بنیاد ہے۔ عرب اور قدیم زمانے کے پورے معاشرے میں از منۂ قدیم سے تعددِ ازدواج مطلقاً مباح تھا۔ انبیائے سابقین علیہم السلام میں سے اکثر کی متعدد بیویاں تھیں۔ نبی اکرم ﷺ کے ہاں خود اس آیت کے نزول سے پہلے تین ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن تھیں۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں بھی اکثر و بیشتر یہی حال تھا۔ اب جو طریقہ پہلے سے رائج چلا آ رہا ہو' ظاہر ہے کہ اس کے لیے نئے سرے سے اجازت دینے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ قرآن پاک کا کسی رواج سے منع نہ کرنا' بذاتِ خود اس رواج کی اجازت دینے کے ہم معنی ہے۔ اس لیے یہ بات ہی سرے سے غلط ہے کہ یہ آیت تعددِ ازدواج کی اجازت دینے کے لیے نازل ہوئی ہے۔ دراصل سورۃ النساء کی مذکورہ بالا آیت غزوۂ اُحد کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس کا مقصد یہ تھا کہ جو بہت سی عورتیں کئی کئی بچوں کے ساتھ بیوہ ہو گئی ہیں' تو اس مسئلے کو حل کرنے کا مناسب طریقہ تجویز کیا جائے۔ چنانچہ اس آیت میں مسلمانوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی گئی ہے کہ اگر تمہیں شہدائے اُحد کے بچوں کے ساتھ ناانصافی کا خطرہ ہو تو تمہارے لیے ایک سے زائد بیویاں کرنے کا دروازہ پہلے ہی کھلا ہے۔ اب شہداء کی بیوہ عورتوں میں سے جو تمہیں پسند ہوں' ان کے ساتھ نکاح کر لو' تاکہ ان کے بچے تمہارے بچے بن جائیں اور تمہیں ان کے مفاد اور مستقبل سے ذاتی دلچسپی پیدا ہو جائے۔ اس سے یہ نتیجہ قطعاً نہیں نکالا جا سکتا کہ تعددِ ازدواج صرف اسی صورت میں جائز ہے جبکہ یتیم بچوں کی پرورش کا مسئلہ درپیش ہو۔ گویا اس آیت نے کوئی قانون بتایا ہے تو وہ تعدد ازدواج کی اجازت دینا نہیں' کیونکہ اس کا رواج اور اجازت تو پہلے سے ہی تھی۔ دراصل اس میں جو نیا قانون دیا گیا ہے' وہ یہ ہے کہ بیویوں کی بیک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقت تعداد پر چار کی قید لگا دی گئی ہے اور ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی صورت میں عدل کو بذاتِ خود بنیادی شرط قرار دیا گیا ہے۔

اس تاویل کی غلطی اس وقت بالکل کھل جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد خود نبی اکرم ﷺ نے متعدد نکاح کیے اور کسی نکاح میں اصل محرک یہ امر نہ تھا کہ آپؐ یتیم بچوں کی پرورش کے لیے کسی خاتون کو نکاح میں لانا چاہتے تھے۔ اسی طرح صحابہ کرام ؓ نے بھی عہد رسالت اور اس کے بعد کئی بیویاں کیں‘ جن میں کنواریاں اور بے اولاد مطلقہ یا بیوائیں بھی تھیں۔ فقہائے کرام میں سے بھی کسی نے آج تک ﴿وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِی الۡیَتٰمٰی﴾ کا معنی اور مفہوم یہ نہیں سمجھا کہ ایک سے زائد بیویوں کی اجازت صرف یتیم بچوں کی پرورش کے لیے ہے اور دوسری بیوی لازماً کسی یتیم / یتامیٰ کی ماں ہی ہونی چاہیے۔

(۳) ’’اگر ایک مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ میں ایک سے زیادہ بیویاں نہیں کروں گا‘ کیونکہ میں اس کی استطاعت نہیں رکھتا تو کروڑوں مسلمانوں کی اکثریت بھی ساری قوم کے لیے یہ قانون بنا سکتی ہے کہ قوم کی معاشی‘ تمدنی اور سیاسی حالت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ کوئی فرد ایک سے زیادہ بیویاں کرے۔‘‘

اس نرالے طرزِ استدلال کے بارے میں گزارش ہے کہ ایک مسلمان جب یہ کہتا ہے کہ وہ ایک سے زیادہ بیویاں نہیں رکھے گا‘ تو وہ اس آزادی کو استعمال کر رہا ہوتا ہے جو اس کی خانگی زندگی کے بارے میں اللہ ربّ العزت نے اُسے دی ہے۔ اب وہ اس آزادی کو شادی نہ کرنے کے بارے میں بھی استعمال کر سکتا ہے‘ ایک بیوی پر اکتفا کرنے کے بارے میں بھی‘ بیوی مرحومہ ہونے کی صورت میں دوسری شادی کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں بھی‘ اور کسی وقت اُس کی مرضی ہو تو ایک سے زائد بیویاں کرنے کے بارے میں بھی استعمال کر سکتا ہے‘ لیکن جب قوم تمام افراد کے بارے میں کوئی مستقل قانون بنا دے‘ تو پھر فرد کی وہ آزادی سلب ہو کر رہ جائے گی جو کہ اسلام نے اسے دی ہے۔ اب ذرا غور کریں کہ کیا اس قیاس پر قوم کسی وقت یہ فیصلہ کرنے کی بھی مجاز ہے کہ اس کے آدھے افراد شادی کریں اور آدھے نہ کریں؟ یا جس کی بیوی یا شوہر دنیا سے رخصت ہو جائے وہ نکاحِ ثانی نہ کرے؟ ہر وہ آزادی جو افراد کو دی گئی ہے‘ اسے بنائے استدلال بنا کر قوم کو یہ آزادی دینا کہ وہ افراد سے ان کی آزادی کو سلب کر لے‘ ایک منطقی مغالطہ ہی ہو سکتا ہے۔ نہیں معلوم کہ قانون میں اس طرزِ استدلال نے کب سے رواج پایا ہے؟ بالفرض تھوڑی دیر کے لیے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ مسلمانوں کی اکثریت ایسا کوئی فیصلہ کرنے کی مجاز ہے‘ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر اکثریت کے بجائے اقلیت ایسا کوئی قانون تجویز کرے اور دوسروں کی رائے کے خلاف اسے زبردستی سب پر مسلط کرنا چاہے‘ تو پھر ان کے اپنے بیان کردہ اصول کی رو سے ایسا کرنے کا کیا جواز ہو گا؟ اب طرفہ تماشا یہ ہے کہ ایسے لوگ ایک سے زائد بیویاں رکھنے کی تو قانونی ممانعت چاہتے ہیں‘ لیکن صنفِ مخالف سے آزادانہ تعلق اور اختلاط‘ طوائفوں سے ربط وضبط یا مستقل داشتہ رکھنے میں ان کے نزدیک کوئی ضرر اور نقصان نہیں ہے‘ اور نہ ہی کسی قسم کی حق تلفی ہوتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۴) ''سورۃ النور کی آیت ۳۳ میں طے کیا گیا ہے کہ جو لوگ شادی کرنے کے ذرائع نہ رکھتے ہوں' ان کو شادی نہیں کرنی چاہیے۔ اگر ذرائع کی کمی کے باعث ایک شخص کو ایک بیوی کرنے سے روکا جا سکتا ہے' تو انہی وجوہ یا ایسی ہی وجوہ کی بنا پر اُسے ایک سے زائد بیویاں کرنے سے کیوں نہیں روکا جا سکتا؟''

اس تاویل میں جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے' اس کے اصل الفاظ یہ ہیں: ﴿وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ ''اور عفت مآبی سے کام لیں وہ لوگ جو نکاح کا موقع نہیں پاتے' یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے۔''

ان الفاظ سے اب یہ مفہوم کہاں نکلتا ہے کہ ایسے لوگوں کو نکاح ہی نہیں کرنا چاہیے؟ اس میں تو صرف یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ نکاح کے ذرائع فراہم نہ کر دے' اُس وقت تک مجرد لوگ پاک باز (عفت مآب) بن کر رہیں' بدکاری میں ملوث ہو کر نفس کی تسکین نہ کرتے پھریں۔ تاہم اگر کسی نہ کسی طرح نکاح کی ممانعت کا مفہوم اس میں شامل کر بھی لیا جائے تو روئے سخن فرد کی طرف ہے' نہ کہ قوم یا ریاست کی طرف۔ یہ بات تو فرد کی اپنی صواب دید پر چھوڑ دی گئی ہے کہ کب وہ اپنے آپ کو شادی کرنے کے قابل پاتا ہے اور کب نہیں۔ اور اسی کو ہدایت کی گئی ہے کہ جب تک وہ نکاح کے ذرائع نہ پائے تو نکاح نہ کرے۔ اس میں قوم یا ریاست کو یہ حق کہاں دیا گیا ہے کہ وہ فرد کے نجی معاملے میں دخل اندازی کر کے یہ قانون بنائے کہ جب تک وہ عدالت کے سامنے اپنے آپ کو ایک بیوی اور چند بچوں کی پرورش کے قابل ثابت نہ کر دے' وہ نکاح نہیں کر سکتا۔ غور کریں کہ مذکورہ آیت کے کس لفظ سے اس معاملے میں ریاست کی قانون سازی کا جواز نکلتا ہے؟ اور اگر نہیں نکلتا تو پھر اس آیت کو ہی جواز بنا کر مزید پیش قدمی کرتے ہوئے ایک سے زائد بیویوں اور مقررہ تعداد سے زیادہ بچوں کے حوالے سے ریاست کو کیونکر قانون سازی کا حق دیا جا سکتا ہے؟

(۵) ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۱۲۹﴾ (النساء)

''اور تم ہرگز استطاعت نہیں رکھتے کہ عورتوں (بیویوں) کے درمیان عدل کر سکو' خواہ تم اس کے کیسے ہی خواہش مند ہو' لہٰذا (ایک بیوی کی طرف) بالکل جھک نہ پڑو کہ دوسری کو معلق چھوڑ دو۔ اور اگر تم اپنا طرزِ عمل درست رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو' تو یقیناً اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔''

ان الفاظِ قرآنی کی بنیاد پر یہ عمارت کھڑی کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں پہلے عدل کی شرط کے ساتھ تعددِ ازدواج کی اجازت دی ہے اور پھر اسی سورت میں یہ بات خود ہی واضح کر دی ہے کہ بیویوں کے درمیان عدل کرنا انسانوں کے بس میں نہیں ہے۔ اب یہ ریاست کا کام ہے کہ ان دونوں آیتوں کے درمیان تطبیق دینے کے لیے ایک قانون بنائے اور ایک سے زیادہ بیویاں کرنے پر پابندیاں عائد کر دے۔ وہ کہہ سکتی ہے کہ سالہا سال کے تجربات سے یہ بات ظاہر ہو چکی ہے اور قرآن میں بھی یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ دو یا دو سے زائد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیویوں کے درمیان یکساں برتاؤ اور عدل نہیں ہوسکتا' لٰہذا تعددِ ازدواج کو ہمیشہ کے لیے ختم کیا جاتا ہے۔

سخت حیرت کی بات ہے کہ اس آیت سے اتنا بڑا مضمون اور دعویٰ کس طرح اور کہاں سے درآمد ہوگیا؟ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ تو ضرور فرمایا ہے کہ انسان دو بیویوں یا زائد کے درمیان اگر پورا پورا عدل کرنا بھی چاہے تو نہیں کرسکتا۔ مگر کیا اس بنیاد پر تعددِ ازدواج کی وہ اجازت بھی واپس لے لی گئی ہے جو خود باری تعالیٰ نے عدل کی شرط کے ساتھ عطا کی ہے؟ آیت کے الفاظ صریحاً بتا رہے ہیں کہ اس فطری حقیقت کو صاف لفظوں میں بیان کرنے کے بعد دو یا زائد بیویوں کے شوہر سے صرف یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ ایک بیوی کی طرف اس طرح ہمہ تن مائل نہ ہوجائے کہ دوسری بیوی یا بیویوں کو بالکل معلق (درمیان میں لٹکتا ہوا) ہی چھوڑ دے۔ قرآن کی رو سے پورا پورا عدل نہ کرسکنے کا نتیجہ یہ نہیں نکلتا کہ تعددِ ازدواج کو ہی سرے سے منسوخ کر دیا جائے۔ اس کے برعکس اس کا حاصل یہ ہے کہ شوہر ازدواجی تعلق اور الفت و محبت کے لیے صرف ایک ہی بیوی کو مخصوص کر لینے سے پرہیز کرے۔ وہ ربط و تعلق اور میل جول سب بیویوں سے رکھے' خواہ اس کا دلی میلان ایک ہی کی طرف ہو۔ ریاست کو اس میں مداخلت کا موقع اس صورت میں ملتا ہے کہ جب شوہر نے دوسری بیوی یا بیویوں کو یکسر نظرانداز کر دیا ہو اور ان کے حقوق کی ادائیگی نہ ہو پا رہی ہو۔ اس صورت حال میں ہی وہ بے انصافی واقع ہوتی ہے جس کے ساتھ تعددِ ازدواج کی اجازت سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔ لیکن کسی بھی منطق کی رو سے الفاظِ قرآنی اور اس کی ترکیب سے یہ گنجائش بھی نکالنا ممکن نہیں کہ معلق رکھنے کی صورت میں ایک ہی شخص کے لیے تعددِ ازدواج کو قانوناً ممنوع ٹھہرایا جاسکے' کجا یہ کہ اس میں سے اتنا بڑا مضمون نکال لیا جائے کہ ریاست تمام لوگوں کے لیے ایک سے زائد بیویاں رکھنا مکمل ممنوع ٹھہرا دے۔

(۶) ''سورۃ النساء کی آیت زیادہ سے زیادہ تعددِ ازدواج کو مباح ہی قرار دیتی ہے' اسے لازم تو نہیں کرتی۔ اس صورت میں اگر کوئی اسلامی حکومت یہ دیکھے کہ اس اجازت سے عام طور پر لوگ ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں' اور وہ اس مباح فعل سے لوگوں کو روک دے تو اس پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے؟ بہت سے مباح فعل ایسے ہیں کہ جن پر حکومت پابندیاں عائد کرتی رہتی ہے اور آپ اسے دین میں مداخلت نہیں کہتے' مثلاً سڑک پر دائیں اور بائیں چلنا دونوں مباح ہیں۔ حکومت اگر یہ پابندی عائد کر دیتی ہے کہ دائیں نہ چلو' صرف بائیں چلو تو کیا یہ دین میں مداخلت ہو جائے گی؟ گوشت ہر روز کھانا مباح ہے۔ حکومت اگر کسی مصلحت سے ایک یا دو دن گوشت کھانے سے روک دیتی ہے تو اسے بھی مداخلت فی الدین کہیں گے؟ پھر آخر تعددِ ازدواج ہی ایک ایسا مباح فعل کیوں ہے کہ اس پر پابندیاں عائد کرنا دین میں مداخلت کے ہم معنی قرار پائے؟''

دیکھنے میں تو یہ تاویل بڑی معقول لگتی ہے مگر حقیقت میں یہ ایک کھلا ہوا مغالطہ ہے۔ معاملات کی ایک قسم تو وہ ہے جس کے متعلق شریعت نے بالکل سکوت اختیار کیا ہے' بایں طور کہ نہ ہی ان کو منع کیا گیا ہے اور نہ ہی ان کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجازت دی گئی ہے اور نہ ہی ان کے متعلق کوئی حکم دیا گیا ہے۔ ایسے معاملات میں تو حکومت پوری طرح آزاد ہے کہ اجتماعی مصالح کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے متعلق جیسا چاہے' قانون بنائے۔ دوسری قسم کے معاملات وہ ہیں کہ جن کے متعلق قانون سازی شریعت نے اپنے ہاتھ میں لی ہے اور منع کرنے' اجازت دینے یا حکم دینے کی صورت میں ان کے متعلق ایک ضابطہ بنا دیا گیا ہے۔

ایسے معاملات میں کوئی حکومت اگر شریعت کے حکم کو بدل کر ممنوع کو جائز یا جائز کو ممنوع قرار دیتی ہے' تو وہ حکمِ خداوندی میں ترمیم کی مرتکب ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اس میں ایک نصِ صریح نے ایک فعل کو منع کیا ہے یا مباح قرار دیا ہے۔ اب اس ممانعت کو اجازت سے یا اجازت کو ممانعت سے بدلنا مداخلت فی الدین' بلکہ تحریفِ دین نہیں تو پھر اور کیا ہے؟ قرآن ایک فعل کے متعلق صریحاً کہتا ہے کہ تم اسے کرنے کے مجاز ہو۔ آپ اس کے مقابلے میں کہتے ہیں کہ تم اسے کرنے کے مجاز نہیں ہو۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ کیا یہ قرآن کی کھلی مخالفت نہیں ہے؟ بالکل یہی نوعیت اس صورت میں بھی ہوگی کہ جب کوئی شخص تعدّدِ ازدواج کو ممنوع قرار دینے کے بجائے اس پر وہ پابندیاں لگائے جو کہ قرآن کی لگائی ہوئی پابندیوں سے مختلف ہوں۔ قرآن اس فعل کو مباح قرار دینے کے بعد اس پر صرف دو پابندیاں لگاتا ہے۔ پہلی یہ کہ وہ فرد بیک وقت چار سے زیادہ نکاح نہ کرے۔ دوسری یہ کہ جب ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان نان ونفقہ اور ازدواجی تعلقات میں مساوات اور عدل کرے۔ انہی دو پابندیوں کو اگر کوئی حکومت پوری طاقت سے نافذ کرے تو اس پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔ وہ بیک وقت چار کی حد سے تجاوز کرنے والوں کو سخت سزا دے سکتی ہے اور بیویوں کے درمیان عدل نہ کرنے والے کو عدل پر مجبور کر سکتی ہے۔ اسی طرح جو کوئی اس معاملے میں عدل نہیں کرتا' اس پر تعزیر کا نفاذ کر سکتی ہے۔ لیکن حکومت کو یہ حق یقیناً نہیں پہنچتا کہ اس اباحت پر جو پابندیاں قرآن وحدیث نے نہیں لگائیں' وہ اپنی طرف سے لگا دے۔ جیسے قرآن نے ایک سے زائد نکاح کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ فرد کے اپنے اختیارِ تمیزی (discretion) پر چھوڑا ہے' حکومت اس اختیارِ تمیزی کو فرد کے بجائے کسی پنچایت یا عدالت کی طرف منتقل کر دے' تو یہ قانونِ قرآنی میں کھلی ترمیم ہوگی۔ قرآن یہ رائے قائم کرنے کا ذمہ دار فرد کو ٹھہراتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو عدل پر قادر پاتا ہے یا نہیں؟ حکومت اگر یہ اختیار کسی دوسرے شخص یا ادارے کو سونپتی ہے کہ نکاحِ ثانی سے پہلے وہ اس کے عدل پر قادر ہونے یا نہ ہونے کا حکم لگائے' تو یہ بھی قرآن کے حکم میں ترمیم ہی ہوگی۔ قرآن پاک تعدّدِ ازدواج کی اباحت کو کسی ضرورت کے ساتھ مشروط نہیں کرتا۔ جو حکومت اسے خاص ضرورتوں کے ساتھ مشروط کرتی ہے اور فرد کو اس کا پابند کرتی ہے کہ نکاحِ ثانی سے پہلے کسی شخص یا ادارے کو اس بات پر مطمئن کرے کہ ان خاص ضرورتوں میں سے اسے کوئی ضرورت فی الواقع لاحق ہے' تو یہ بھی قانونِ قرآنی میں تبدیلی ہی کہلائے گی۔

تعدّدِ ازدواج کی مَن گھڑت شرائط

بعض حضرات خارجی حالات سے متاثر ہو کر تعدّدِ ازدواج کی اجازت صرف ان حالات تک محدود رکھنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر اصرار کرتے ہیں کہ جب کسی کی بیوی بانجھ ہو یا اتنی بیمار ہو کہ ازدواجی تعلق کے لائق نہ رہے یا اس طرح کی کوئی دوسری ناگزیر مجبوری لاحق ہو‘ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اس کی کھلی تردید خود نبی اکرم ﷺ کے عمل سے ہوتی ہے۔ آپؐ کے ایک سے زائد نکاح کرنے کی وجہ بیوی کا بیمار ہونا‘ بانجھ ہونا یا اولادِ نرینہ نہ ہونا‘ کچھ یتیموں کی پرورش کا مسئلہ درپیش ہونا‘ نہ تھا‘ بلکہ آپؐ کے تمام نکاح تبلیغی و تعلیمی ضروریات کے لیے‘ اصلاحِ معاشرہ کے لیے یا سیاسی و اجتماعی مقاصد کے لیے تھے۔ اب کوئی دوسرا شخص کیسے یہ حق رکھتا ہے کہ اسلامی قانون پر اپنی طرف سے اضافی شرائط عائد کرے اور پھر یہ دعویٰ بھی کرے کہ یہ شرائط اور حد بندیاں وہ شریعت کے مطابق کر رہا ہے۔

درحقیقت ان ساری شرائط اور حد بندیوں کی جڑ یہ مغربی تخیل ہی ہے کہ تعددِ ازدواج بذاتِ خود ایک برائی ہے۔ اسی بنا پر یہ نظریہ پیدا ہوا کہ یہ ’فعل حرام‘ اگر حلال ہو بھی سکتا ہے تو صرف چند ناگزیر ضروریات کے تحت۔ اس درآمد شدہ تخیل پر اسلام کا جعلی ٹھپہ لگانے کی جتنی بھی کوشش کی جائے‘ قرآن وسنت اور پوری اُمت مسلمہ کا فقہی ذخیرہ اس سے قطعاً ناآشنا ہے۔ مزید برآں یہ لوگ اس پر مزید دو شرائط کا اضافہ بھی کرتے ہیں۔ پہلی یہ کہ آدمی کسی عدالت یا از روئے قرآن مقرر کیے ہوئے کسی سرپنچ یا پنچایت کو اس پر مطمئن کرے کہ اسے حقیقتاً دوسری بیوی کی ضرورت ہے۔ دوسری یہ کہ وہ اپنی پہلی بیوی کو اس پر راضی کرے یا اس سے نکاحِ ثانی کی اجازت لے۔ یہ صریحاً اجنبی تخیلات ہیں‘ جنہیں اسلامی قانون میں زبردستی داخل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان دو شرطوں کا کیا ماخذ ہے اور یہ کہاں سے درآمد کی گئی ہیں؟ کیا پوری اسلامی تاریخ میں کبھی تعددِ ازدواج کے لیے ایسی کوئی شرطیں لگائی گئی ہیں؟ کیا کوئی شہادت اس امر کی موجود ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک کے بعد جتنی شادیاں کیں‘ ان میں سے کسی ایک شادی پر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے انہیں اس کام پر مطمئن کیا ہو؟ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کسی کو دوسری شادی سے پہلے اس بات پر مجبور کیا ہو کہ وہ حضور اکرم ﷺ یا صحابہ کی کسی پنچایت کے سامنے اپنی ضرورت کو ثابت کرے۔ رہا پہلی بیوی سے اجازت لینا‘ تو عجیب بات ہے کہ ایک مسلمان اپنے نکاح کے معاملہ میں اپنے والدین سے اجازت لینے کا تو پابند نہ ہو‘ لیکن بیوی سے اجازت لینا اس کے لیے ضروری ٹھہرایا جائے۔

آخری سہارا

مندرجہ بالا تمام غلط تاویلات اور من گھڑت شرائط کے بعد آخری سہارے یا ترکش کے آخری تیر کے طور پر یہ واقعہ سامنے لایا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسری شادی کرنی چاہی تو حضور اکرم ﷺ نے ان کو اس سے روک دیا۔ اس سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ دوسری شادی کرنا واقعی ایک بری بات ہے‘ اسی لیے تو حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس سے روک دیا‘ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ دلیل بھی لائی جاتی ہے کہ ایک فرد کا نکاحِ ثانی اُس کی بیوی اور سسرال کے لیے تکلیف دہ ہوتا ہے‘ اسی لیے تو حضور ﷺ نے اپنی بیٹی پر سوکن کا لانا گوارا نہ کیا۔ اب اگر حضور ﷺ کی پیروی میں تمام لوگوں کو تعددِ ازدواج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے روک دیا جائے، تو یہ سنت رسول کی پیروی ہوگی۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب ابوجہل کا خاندان مسلمان ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُس کی بیٹی (جس کا نام کسی نے جویریہ، کسی نے عوراء اور کسی نے جمیلہ بیان کیا ہے) سے نکاح کرنا چاہا۔لڑکی کے خاندان والوں نے کہا کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کی بیٹی پر بیٹی نہیں دیں گے، جب تک آپؐ سے پوچھ نہ لیں۔ ایک روایت کی رو سے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی آپؐ سے اشارے کنائے سے اجازت طلب کی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس بات کا چرچا سن لیا اور جا کر حضور ﷺ سے شکایت کی۔ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا جبکہ آپؐ منبر پر تشریف فرما تھے:

((اَنَّ بَنِیْ ھِشَامِ بْنِ الْمُغِیْرَۃَ اسْتَاْذَنُوْنِیْ فِیْ اَنْ یَنْکِحُوا ابْنَتَھُمْ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ، فَلَا آذَنُ، ثُمَّ لَا آذَنُ، ثُمَّ لَا آذَنُ، اِلاَّ اَنْ یُرِیْدَ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ اَنْ یُطَلِّقَ ابْنَتِی وَیَنْکِحَ ابْنَتَھُمْ، فَاِنَّمَا ھِیَ بَضْعَۃٌ مِنِّی یَرِیْبُنِیْ مَا اَرَابَھَا وَیُؤْذِیْنِیْ مَا آذَاھَا)) (صحیح البخاری، ح: ۵۲۳۰)

’’بنی ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے اس بات کی اجازت مانگی ہے کہ وہ اپنی بیٹی علی بن ابی طالب کے نکاح میں دے دیں۔ میں اس کی اجازت نہیں دیتا، نہیں دیتا، نہیں دیتا، اِلا یہ کہ ابوطالب کا بیٹا میری بیٹی کو طلاق دے کر ان کی بیٹی سے نکاح کرلے۔ میری بیٹی میرا (جگر کا) ٹکڑا ہے، جو کچھ اسے ناگوار ہوگا وہ مجھے ناگوار ہوگا اور جو چیز اسے تکلیف دے گی وہ مجھے تکلیف دے گی۔‘‘

علی بن الحسین بن علی سے مروی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے:

((وَاِنِّیْ لَسْتُ اُحَرِّمُ حَلَالاً وَلَا اُحِلُّ حَرَامًا وَلٰکِنْ وَاللّٰہِ لَا تَجْتَمِعُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَبِنْتُ عَدُوِّ اللّٰہِ مَکَانًا وَّاحِدًا اَبَدًا (وفی روایۃ) اِنَّ فَاطِمَۃَ مِنِّیْ وَاِنِّیْ اَتَخَوَّفُ اَنْ تُفْتَنَ فِیْ دِیْنِھَا)) (صحیح مسلم، ح: ۲۴۴۹)

’’میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرتا۔ مگر اللہ کی قسم! اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں (ایک دوسری روایت میں ہے کہ) فاطمہ مجھ سے ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ وہ اپنے دین کے معاملہ میں کہیں فتنے میں نہ پڑ جائے۔‘‘

یہاں یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خود بہت سی شادیاں کیں اور مسلمانوں کو بھی بیک وقت چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی، مگر خود اپنی بیٹی پر ایک سوکن کا آنا بھی گوارا نہ کیا۔ سوکن کے آنے سے جو اذیت آپ ﷺ کی بیٹی کو اور بیٹی کی وجہ سے آپؐ کو ہوسکتی تھی، وہی اذیت دوسری عورتوں اور ان کے ماں باپ کو بھی تو لاحق ہوتی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپؐ نے اپنے حق میں تو اسے برداشت نہ کیا اور دوسروں کے حق میں اجازت دے کر اسے جائز رکھا؟ بظاہر یہ ایک سخت اعتراض بنتا ہے اور معاملے کی سادہ صورت دیکھ کر آدمی ایک مرتبہ بڑی الجھن میں پڑ جاتا ہے۔ لیکن اگر غور وفکر سے کام لیا جائے تو بات کی تہ تک پہنچا جاسکتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب دیکھئے کہ اس معاملے میں کیا پیچیدگیاں پیدا ہو رہی ہے۔ شرعاً حضورﷺ کی بیٹی پر سوکن لانا آپؐ کے داماد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے حلال تھا' اسی وجہ سے انہوں نے ایسا کرنے کا ارادہ کیا۔ اسی وجہ سے حضورﷺ نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ یہ فعل حرام ہے۔ خود ہی تصریح فرما دی کہ میں حلال کو حرام نہیں کر سکتا۔ یہاں دراصل حضورﷺ کی ایک ہی شخصیت میں دو مختلف حیثیتیں جمع تھیں۔ پہلی حیثیت میں آپؐ انسان بھی تھے اور فطری طور پر یہ ممکن نہ تھا کہ آپؐ کی صاحبزادی کے گھر میں سوکن آنے سے جو بشری تلخی پیدا ہو' اس کا تھوڑا یا زیادہ اثر آپؐ کی طبیعت پر نہ پڑے۔ دوسری حیثیت میں آپؐ اللہ کے رسول تھے اور اس حیثیت سے آپؐ کا یہ مقام تھا کہ اگر کسی شخص سے آپ کے تعلقات بگڑ جائیں اور وہ آپ کے لیے موجب اذیت بن جائے تو پھر اس صورت میں اُس کے دین وایمان کی خیر نہیں۔ اسی بنا پر حضورﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بنی ہشام بن مغیرہ کو بھی اس نکاح سے روک دیا۔ اگرچہ شرعاً یہ حلال تھا' مگر اس کے کرنے سے یہ اندیشہ تھا کہ اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی دوسری بیوی اور اس کے خاندان کا ایمان اور عاقبت دونوں خطرے میں نہ پڑ جائیں۔

ایک اور بات جس کا حضورﷺ نے اپنے خطبے میں ذکر فرمایا' وہ یہ تھی کہ بنی ہشام بن مغیرہ اسلام اور حضورﷺ کے بدترین دشمن رہ چکے تھے اور فتح مکہ کے بعد تازہ تازہ مسلمان ہوئے تھے۔ خود اس لڑکی کا باپ ابوجہل تو اسلام اور حضورﷺ کی دشمنی میں سب کفار سے بازی لے گیا تھا۔ غزوۂ بدر میں وہ مسلمانوں کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا اور برسوں اس کا خاندان جذبہ انتقام میں تڑپتا رہا۔ اگرچہ یہ لوگ اب اسلام قبول کر چکے تھے' لیکن خلوص اور قلوب کا امتحان ابھی باقی تھا۔ ان حالات میں ابوجہل کی بیٹی کا اس گھر میں پہنچ کر سوکن بن جانا بڑے فتنوں کا باعث بن سکتا تھا' جہاں حضورﷺ کی بیٹی گھر کی ملکہ کی حیثیت سے موجود تھی۔ ان لوگوں کی تالیفِ قلوب تو کی گئی' لیکن اس مرحلہ پر انہیں عین خاندانِ نبوت میں داخل کرنا اور نبی کی بیٹی کے بالمقابل کھڑا کر دینا' کسی طور پر مناسب معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اسی بنا پر حضورﷺ نے اس رشتے کو ناپسند فرمایا اور علانیہ طور پر کہا کہ خدا کے رسول کی بیٹی اور خدا کے دشمن کی بیٹی ایک گھر میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ اس بات کی طرف بھی آپؐ نے اشارہ فرمایا کہ اس سے (حضرت) فاطمہؓ کے فتنے میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ گویا ایک فرد کو اپنے ذاتی معاملے میں بھی اس طرح کی آزادی نہیں دی جاسکتی جس سے دوسرے مسلمانوں کے لیے فتنہ وشر کا خطرہ پیدا ہو رہا ہو۔

تعدّدِ ازدواج ایک فطری ضرورت

صاحبِ ''معارف القرآن'' کے مطابق مرد کے لیے ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا اسلام سے قبل دوسرے مذاہب میں جائز اور درست سمجھا جاتا تھا۔ عرب' ہندوستان' ایران' مصر' بابل وغیرہ ہر قوم میں تعددِ ازدواج کا طریقہ رائج تھا۔ اس کی فطری ضروریات سے انکار آج بھی آسان نہیں۔ دورِ حاضر میں اپنے متقدمین کے خلاف مغرب نے تعدد ازدواج کو ناجائز قرار دیا' تو اس کا نتیجہ بے نکاحی داشتاؤں اور باہمی شادی کے بغیر بچے پیدا کرنے کی صورت میں برآمد ہوا۔ اس کے قبیح نتائج کی بنا پر آج وہاں کے بہت سے اہلِ دانش تعددِ ازدواج

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے حق میں اپنی آراء کا اظہار کر رہے ہیں۔ ایک مشہور عیسائی فاضل ڈیون پورٹ اس کے حق میں انجیل کی بہت سی آیات نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے: ''ان آیتوں میں یہ پایا جاتا ہے کہ تعددِ ازدواج صرف پسندیدہ ہی نہیں' بلکہ خدا نے اس میں خاص برکت دی ہے''۔ پادری نکسن' جان ملٹن اور ایزک ٹیلر نے بھی پرزور الفاظ میں تعدد ازدواج کی تائید کی ہے۔ ہندوؤں کی ویدوں سے بھی تعددِ ازدواج کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی' بلکہ اس سے دس دس' تیرہ تیرہ اور ستائیس ستائیس بیویوں کو بیک وقت رکھنے کی اجازت ثابت ہوتی ہے۔ ہندومت کے بڑے دیوتا کرشن کی طرف سینکڑوں بیویوں کی نسبت کی جاتی ہے۔ جو بھی مذہب اور قانون عفت و عصمت کو قائم رکھنا اور زنا کاری کا انسداد لازمی سمجھتا ہے' تو اسے تعددِ ازدواج کی اجازت دیے بغیر چارہ نہیں۔ یہ زنا کاری کا بھی علاج ہے اور مردوں کی نسبت عورتوں کی کثرت کے مسئلے کا حل بھی اس میں پایا جاتا ہے۔ مغربی اقوام ہی کو دیکھ لیں' تعددِ ازدواج کی تو ان کے ہاں پابندی ہے اور ناجائز تعلق جتنی بھی عورتوں سے قائم کر لیا جائے' اس پر کوئی پکڑ نہیں۔ اسی بنا پر ان معاشروں میں داشتہ اور کسبی عورتوں کی افراط ہے۔

قبل از اسلام تعددِ ازدواج بغیر کسی پابندی اور حد بندی کے رائج تھی۔ یہود و نصاریٰ' ہندوؤں' آریاؤں اور پارسیوں وغیرہ' کسی کے ہاں بھی اس پر کوئی ضابطہ لاگو نہ تھا۔ ابتدائے اسلام میں بھی یہ رسم بغیر کسی تحدید کے جاری رہی۔ لیکن اس غیر محدود کثرتِ ازدواج کا نتیجہ یہ تھا کہ پہلے تو لوگ حرص میں بہت سے نکاح کر لیتے' پھر بعد میں بیویوں کے حقوق صحیح طور پر ادا نہ کر پاتے۔ یہ منکوحہ عورتیں ان کے ہاں قیدی کی سی زندگی گزار رہی ہوتیں۔ ان کے درمیان عدل و مساوات کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا۔ جس سے زیادہ محبت اور دل بستگی ہوتی اسے تو نوازا جاتا' اور جس سے دل بھر اور رخ پھر گیا اس کی پھر کوئی خیر خبر نہیں۔ اسلام نے معاشرے کے اس ظلم عظیم کی روک تھام کی' تعدد ازدواج کی حد مقرر کی اور منکوحہ عورتوں کے درمیان عدل و مساوات کا نہایت تاکیدی اور بنیادی حکم دیا اور اس حکم کی خلاف ورزی پر بھی شدید وعید سنائی۔ (۲)

تعددِ ازدواج کی حکمت

تفسیر ''فی ظلال القرآن'' کی روشنی میں اب تعددِ ازدواج کی حکمت اور مصلحت پر کچھ بیان کیا جاتا ہے۔ (۳) ظہور اسلام کے دور میں لوگوں کے ہاں دس یا اس سے بھی زیادہ بیویاں ہوا کرتی تھیں اور کوئی حتمی تعداد مقرر نہ تھی۔ ان حالات میں اسلام نے تعداد پر پابندی عائد کی اور بیک وقت چار سے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ مزید ایک پابندی یہ بتائی کہ ان چار تک کی بھی تبھی اجازت ہے جبکہ تم ان کے درمیان عدل و انصاف کر سکو۔ ورنہ ایک پر ہی اکتفا کیا جائے اور آگے نہ بڑھا جائے۔ گویا اسلام نے تعددِ ازدواج کی نہیں بلکہ تحدیدِ ازدواج کی اجازت دی ہے۔ اس کو بھی مرد کی خواہش نفس پر نہیں چھوڑا' بلکہ عدل و انصاف سے مشروط کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اسلام نے تعددِ ازدواج کی اجازت کیوں دی؟ اسلامی نظامِ زندگی تمام انسانوں کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ وہ انسانی فطرت سے ہم آہنگ اور اس کے حالات و ضروریات کے مطابق ہے۔ وہ لوگوں کی حاجات سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آنکھیں بند نہیں کرتا اور نہ ہی مختلف طبائع کے انسانوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتا ہے۔

اس پس منظر کو ذہن میں رکھ کر مسئلہ تعددِ ازدواج پر غور کریں تو درج ذیل نتائج ہمارے سامنے آتے ہیں:

پہلی حقیقت تو یہ ہے کہ اکثر گزشتہ اور موجودہ معاشروں میں شادی کے قابل عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے۔عورتوں کی زیادتی کی نسبت ۱:۴ سے زیادہ کبھی نہیں رہی' بلکہ اس کے درمیان ہی رہی ہے۔ایسی صورتِ حال کا آخر کیا علاج ہے؟ کیا محض شانے ہلا کر اس صورت حال سے لاتعلق ہو جائیں' حالات کے دھارے کو اپنا رخ خود متعین کرنے دیں اور پیش آمدہ صورت حال کو قبول کر لیں؟ ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگوں کی سوچ ہی ایسی ہو' لیکن نسلِ انسانی کو محترم سمجھنے والی ایک سنجیدہ شخصیت کے لیے یہ موقف قابلِ قبول نہ ہوگا۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ کوئی ایسا ضابطہ ہو' جس کی مدد سے اس مسئلے کے حل کے لیے کوئی عملی قدم اٹھایا جائے۔

غور وفکر سے اس مسئلے کے تین ممکنہ حل نکلتے ہیں:

(ا) شادی کے قابل ہر شخص شادی کے قابل کسی ایک عورت سے شادی کرے۔اس کے علاوہ جو عورتیں رہتی ہیں' ان کو یونہی خاوند کے بغیر معاشرے میں چھوڑ دیا جائے اور نتائج سے آنکھیں بند کر لی جائیں۔

(ب) شادی کے قابل ہر مرد شادی کے قابل ایک عورت سے قانونی نکاح کرے اور خاوند کے بغیر جو دوسری عورتیں ہیں' ان سے ناجائز تعلقات قائم کرتے ہوئے گناہوں بھری زندگی بسر کرے۔

(ج) شادی کے قابل مرد شادی کے قابل ایک سے زائد عورتوں سے نکاح کرے اور ان کے پورے حقوق ادا کرے۔اس طرح جائز تعلقات قائم کر کے مرد ناجائز تعلقات اور حرام کاری سے بچے اور یوں وہ روشن زندگی بسر کرے۔

اب ذرا غور کریں کہ پہلی صورت تو بالکل خلافِ فطرت ہے۔ایک عورت کے لیے ممکن ہی نہیں کہ وہ ساری زندگی تنہا بغیر خاوند کے صحیح طور پر بسر کر سکے۔کچھ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ عورت محنت اور مزدوری کر کے مرد سے مستغنی ہو سکتی ہے۔ایسے سطحی اور غیر سنجیدہ لوگ حقیقت سے آنکھیں بند کیے بیٹھے ہیں۔اس لیے کہ عورت محنت مزدوری کے بعد بھی اپنے فطری تقاضے اور ضرورت سے بالکل مستغنی نہیں ہو سکتی۔

دوسری صورت اسلام کے پاکیزہ رجحانات کے بالکل متضاد ہے اور اسلام کے معاشرتی نظام میں اس کی کوئی جگہ نہیں بنتی۔یہ تو معاشرے میں کھلم کھلا فحاشی اور بدکاری پھیلانے والی بات ہے۔اس کو ماننے والے اللہ تعالیٰ کے حکم کا کھلم کھلا استہزاء کر کے دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں کھیلتے ہیں۔یوں انسانی معاشرے میں بھی عفت و عصمت اور حیا بالکل پیدا نہیں ہو سکتی۔اور نہ ہی بچے کے نسب کی حفاظت ممکن ہے۔کیا ان باتوں اور کاموں کے مغربی معاشرہ پر اثرات اور تباہ کن نتائج ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی نہیں ہیں؟

رہ گئی صرف تیسری صورت' جسے اسلام نے اختیار کیا ہے۔اسلام نے نہ صرف تعددِ ازدواج کی اجازت دی ہے بلکہ اس پر شرعی حدود و قیود بھی عائد کی ہیں اور یہی مذکورہ مسئلے کا مثبت اور تعمیری حل ہے۔اسی سے پاکیزہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معاشرے کی تعمیر میں مثبت مدد ملتی ہے۔ نیز فحاشی اور بدکاری کی دلدل میں پھنسنے سے چھٹکارا حاصل ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ انسانی معاشرہ' قدیم ہو یا جدید' اس میں ایک اور صورت حال کا بھی سامنا ہوتا ہے۔ اس حقیقت سے نہ انکار کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی صرفِ نظر' کہ مرد میں بچے پیدا کرنے کی صلاحیت ستّر سال یا اس سے بھی اوپر ہوتی ہے' جبکہ عورت میں یہ صلاحیت عمومی طور پر لگ بھگ پچاس سال کی عمر میں (تقریباً) ختم ہو جاتی ہے۔ گویا زوجین کے درمیان ایک ایسا وقت اکثر آ جاتا ہے جس میں مرد تو بچے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس کی خواہش بھی ہوتی ہے جبکہ عورت اس حوالے سے ختم ہو چکی ہوتی ہے اور اس کی خواہش بھی مردہ ہو جاتی ہے۔ یہ امر بالکل واضح ہے کہ عورت اور مرد کو الگ الگ پیدا کرنے کا مقصد افزائش نسل ہے اور اس کا انتظام آبادی کے پھیلاؤ اور اس کی کثرت سے کیا گیا ہے۔ اس کا حل شریعت اسلامی میں دی گئی اجازت سے ہی ہو سکتا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ تعددِ ازدواج کو لازم نہیں کیا گیا' بلکہ حالات و واقعات کے مطابق شرعی حدود و قیود کے اندر اس کی اجازت دی گئی ہے اور خلاف ورزی کرنے والے کے لیے سخت وعیدیں ہیں۔ پھر بعض اوقات کبرسنی یا کسی بیماری کی بنا پر عورت بچے پیدا کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھتی ہے یا ویسے بانجھ ہو جاتی ہے۔ اب مرد جوان ہو اور اولاد کی خواہش بھی توانا ہو' تو اس کو بوڑھی اور بیمار عورت کے ساتھ زبردستی ساری زندگی گزارنے پر مجبور کرنا بھی تو زیادتی ہوگی۔ زندگی کی مشکلات حقیقی ہوتی ہیں اور ان کا حل بھی حقیقت پسندی سے ہی ڈھونڈا جا سکتا ہے۔

اس مسئلے کو بھی تین ممکنہ طریقوں سے حل کیا جا سکتا ہے:

(ا) مرد پر پابندی عائد کر دی جائے کہ وہ پچاس سال کے بعد وظیفہ زوجیت کی ادائیگی بند کر دے اور اسے کہہ دیا جائے کہ یہ بات تمہاری منکوحہ کے احترام اور حقوق کے منافی ہے۔

(ب) ایسے مرد کو اس بات پر آزاد چھوڑ دیا جائے کہ مزید عورتوں سے نکاح کرنے کے بجائے عورتوں سے آزادانہ دوستیاں گانٹھتا پھرے۔

(ج) اسے اس بات کی اجازت دی جائے کہ شرعی حدود کے اندر وہ اپنی ضرورت کے مطابق ایک سے زائد بیویاں رکھ سکے۔ اس صورت میں پہلی بیوی کو بھی بغیر طلاق دیے رکھا جا سکتا ہے۔

پہلی صورت انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ تجرد کی زندگی برداشت کرنا بہت مشکل ہے اور قانوناً اس پابندی سے عائلی زندگی جہنم بن سکتی ہے' جو اسلام کی منشا کے خلاف ہے۔

دوسری صورت اسلامی قوانین اور اخلاقیات کے منافی ہے اور یہ انسان کو حیوان بنانے کے مترادف ہے۔

اب تیسری صورت ہی ایسی ہے جو کہ انسانی فطرت اور اس کی ضروریات کے مطابق ہے۔ اس طریقے سے پہلی بیوی کے حقوق بھی محفوظ رہتے ہیں اور وہ طلاق سے بھی بچ جاتی ہے۔ نیز مرد بھی اپنی خواہش اور ضرورت کے مطابق شرعی اصولوں کے اندر رہ کر اپنی زندگی خوشگوار بنا سکتا ہے۔ ہم جتنا ان مسائل پر غور کرتے جائیں' اللہ تعالیٰ کے احکامات کی حکمتیں ہم پر واضح ہوتی جاتی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو شخص بھی شرعی ضوابط کی روح اور اس کی حکمت عملی کو سمجھتا ہے' وہ کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسلام میں تعددِ ازدواج بذاتہٖ مطلوب ہے اور انسانی ضروریات کے بغیر جائز ہے۔ یہ کوئی حیوانی لذتیت نہیں کہ ایک سے دل بھر گیا تو خواہ مخواہ اب دوسری سے لطف اندوزی شروع کر دی۔ تعددِ ازدواج کو بعض حقیقی فطری اور معاشرتی مسائل پر قابو پانے کے لیے جائز کیا گیا ہے اور یہ صورت حال ہر زمانے کے معاشرے میں پیش آ جاتی ہے۔ اب اگر بعض ادوار میں اس رخصت اور اجازت کا غلط فائدہ اٹھایا گیا' اور بیویوں کو اس طرح بدلنا شروع کر دیا جس طرح کہ دوستوں کو بھی نہیں بدلا جاتا' تو اس صورت حال کا اسلام قطعاً ذمہ دار نہیں اور نہ ہی اس قسم کے عیاش اور اوباش لوگ اسلام کے حقیقی نمائندے ہو سکتے ہیں۔ ان کی نہ تو صحیح اسلامی معاشرے میں سکونت تھی اور نہ ہی انہیں اسلامی احکامات کا فہم حاصل تھا۔ ایسے معاشرے ہی ان محلات اور حریموں کے ذمہ دار تھے جو انتہائی گھٹیا انداز سے وجود میں آئے۔ شریعت اسلامی سے نابلد یہی جاہل اور عیاش حکمران تھے جنہوں نے اسلام کی بہت غلط تصویر کشی کی۔ اس سب کا علاج اسلامی نظریہ حیات اور احکامات وضوابط پر مکمل طور پر عمل پیرا ہونے سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے' آمین!

تعدّدِ ازدواج سے متعلق غور طلب حقائق

بقول صاحب ''ضیاء القرآن'' تعددِ ازدواج کے بارے میں مختصراً چند حقائق کو پیش نظر رکھنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ (۴)

(۱) یہ حکم نہیں کہ جس کی پیروی ہر مسلمان پر لازم ہو' بلکہ ایک رخصت ہے۔

(۲) یہ رخصت بھی قید وشرط کے بغیر نہیں' بلکہ سخت قیود سے مشروط ہے۔

(۳) طب اس پر متفق ہے کہ مرد کی طبعی کیفیت عورت کی طبعی کیفیت سے جدا ہے۔

(۴) مرد میں جنسی رغبت عورت سے کہیں زیادہ ہے۔ اس کی ظاہر وجہ یہ ہے کہ جنسی عمل کے بعد عورت کو مدتِ دراز تک مختلف نازک مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ استقرارِ حمل' وضع حمل' رضاعت اور بچوں کی نگہداشت اور تربیت کے تمام مراحل اسے مکمل مشغول رکھتے ہیں۔ اس دوران اسے صنف مخالف کی طلب کم ہی ہوتی ہے۔ اس کے برعکس مرد ان تمام ذمہ داریوں سے آزاد ہوتا ہے اور اس میں طلب موجود رہتی ہے۔

(۵) اکثر ممالک میں عورت کی شرح پیدائش مردوں سے زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ جہاد اور جنگ میں بے شمار مرد کام آتے ہیں۔ اس سے عورتوں کی تعداد میں مزید اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

(۶) تاریخِ انسانی کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اکثر معاشروں کے قانونی نظام میں تعددِ ازدواج ممنوع ہے اور زنا کی کھلی اجازت ہے۔ اور پھر اس فعل کو اپنی اَن گنت خرابیوں کے باوجود جرم ہی تصور نہیں کیا جاتا۔

(۷) یہ بھی سوچنے کا مقام ہے کہ ایک عورت کے لیے اس کے خاوند کی دوسری بیوی قابلِ برداشت ہے یا پھر اس کی داشتہ' جس کے لیے کوئی قاعدہ قانون ہی نہ ہو؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۸) اسی طرح کسی باحمیت اور باغیرت عورت کے لیے یہ مناسب ہے کہ وہ گھر کی مالکہ بن کر رہے اور اس کا خاوند اس کے تمام حقوق کا ذمہ دار ہو‘ اس کی اولاد جائز متصور ہو اور معاشرہ میں اسے باعزت مقام حاصل ہو‘ یا پھر وہ ایک ایسی عورت کے روپ میں رہے جس کا حسن و شباب اسے ہوسناک نگاہوں کا کھلونا بنائے رکھے‘ اس کی کوئی عزت اور حقوق نہ ہوں‘ نہ کوئی اس کی اولاد کا باپ بننا گوارا کرے اور نہ ہی کوئی اس کی ذمہ داری لینے کو تیار ہو؟

(۹) کیا مغربی ممالک اپنی تمام تر ترقی کے باوجود حرامی بچوں اور کنواری ماؤں کی تعداد میں ہر روز بڑھتے ہوئے اضافے سے پریشان نہیں؟

ان تمام حقائق کو تسلیم کرتے ہوئے ہم پیش آمدہ مشکلات سے بچیں‘ جن کا حل پیش کرتے ہوئے اسلام نے مخصوص شرائط کے ساتھ ایک سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے۔ اب تو کئی مغربی مفکر بھی اسی حل کو صحیح تصور کر رہے ہیں۔

اگر ہم حقیقت پسندی سے کام لیں تو لازماً اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ اس رخصت کا اکثر و بیشتر ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ معدودے چند افراد چھوڑ کر اکثر و بیشتر دوسری شادی ہوس روانی اور لذت طلبی کے لیے کرتے ہیں۔ متاعِ ہوش و عقل نئی بیوی کے حضور یوں لٹا دی جاتی ہے کہ پہلی بیوی بیوہ اور اس کی اولاد یتیم بن کر رہ جاتی ہے۔ ان کے نان و نفقہ اور دیگر ضروریات کو بالکل طاقِ نسیاں پر رکھ دیا جاتا ہے۔ ذرا غور و فکر سے کام لیں اور انصاف کریں کہ کیا یہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہے اور یہی اسلامی تعلیمات ہیں؟ وہاں تو صریحاً اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ ایک سے زیادہ کی اجازت صرف اس صورت میں ہے کہ اگر تم باہمی عدل کر سکو۔ گویا ایسے مسلمان خود اپنی بدعملیوں سے اپنے دین کو داغدار کر رہے ہیں اور دوسروں کو اسلام سے متنفر کرنے کا باعث بن رہے ہیں۔

(جاری ہے)

حواشی

(۱) مسئلہ تعددِ ازدواج از ابوالاعلیٰ مودودی‘ اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ‘ لاہور‘ مطبوعہ ۱۹۷۴ء (بار سوم)

(۲) تفسیر معارف القرآن‘ از مفتی محمد شفیعؒ‘ جلد دوم‘ پارہ ۴‘ سورۃ النساء‘ آیت ۳‘ ص ۸۵ تا ۸۷‘ طبع 2015ء۔

(۳) فی ظلال القرآن از سید قطب شہید‘ مترجم سید معروف شاہ شیرازی‘ جلد اول‘ پارہ ۴‘ سورۃ النساء‘ آیت ۳‘ طبع ادارہ منشورات اسلامی‘ ملتان روڈ لاہور‘ طبع چہارم‘ ۱۹۸۸ء (صفحہ ۹۰۹ تا ۹۱۹)

(۴) ضیاء القرآن از پیر محمد کرم شاہ الازہری ج ۱‘ سورۃ النساء‘ آیت ۳‘ صفحہ ۳۱۶ تا ۳۱۸‘ طبع پنجم‘ طبع ۱۴۰۲ھ‘ ضیاء القرآن پبلی کیشنز‘ لاہور

© rasailojaraid.com